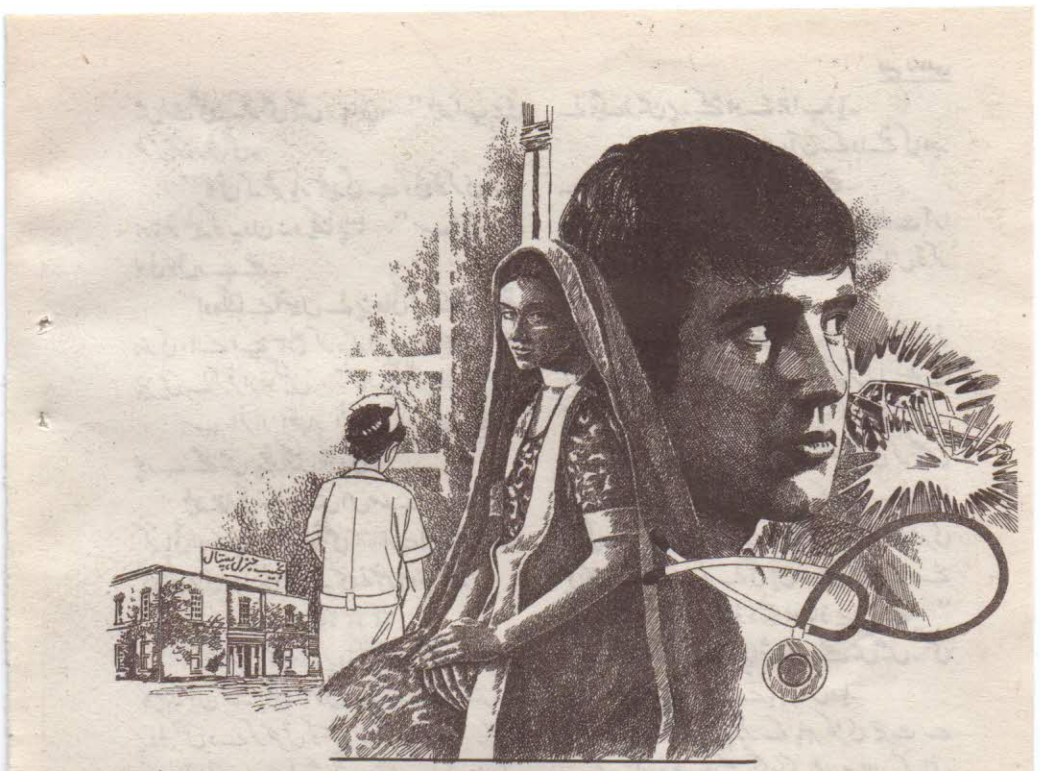

ناولٹ

مکافات

ناہید سلطانہ اختر

نجیب جنرل اسپتال شہر کی ایک مشہور شاہراہ پر لب سڑک ایستادہ ایک سہ منزلہ عمارت کی پیشانی پر یہ تین الفاظ ہر آتے جاتے کو اپنی طرف متوجہ رکھتے۔ رات کو یہ الفاظ جگمگا اٹھتے اور سپیدۂ سحر پھیلنے تک جگمگاتے ہی رہتے۔

کبھی یہ عمارت صرف گراؤنڈ فلور پر ہوا کرتی تھی مگر اب اس کے تین فلورز تھے۔ کبھی یہ بیگم محمود علی خان کی ملکیت ہوا کرتی تھی اب ڈاکٹر نجیب اس کے مالک

www.UrduPalace.com

تھے۔ بیگم محمود علی خان کا ڈاکٹر نجیب سے نہ تو کوئی رشتہ ناتا تھا نہ انہوں نے اپنی یہ ملکیت ڈاکٹر نجیب کو فروخت کی تھی۔ کبھی، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو چیز آپ کی نہیں ہوتی آپ کی بن جاتی ہے۔ مالک کی دین..... اس کی نظرِ کرم..... اور کبھی، کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جو چیز آپ کی ہوتی ہے آپ سے چھن جاتی ہے۔ اوپر والا ہی جانے کب، کسے کیا دینا ہے اور کب، کس سے اپنی کوئی نعمت واپس لینی ہے۔ اس ملنے اور چھیننے میں مالک کی رضا اپنی جگہ مگر کچھ دوش تو بندے کا بھی ہوتا ہوگا۔

ڈاکٹر نجیب کی زندگی کا سفر نہایت غربت میں شروع ہوا تھا۔ باپ ریلوے اسٹیشن پر قلی تھا۔ ماں ریلوے کوارٹروں میں گھر، گھر جا کر چھوٹے موٹے کام کرتی تھی جس کے عوض اسے ان گھروں سے باسی کھانا، پرانے کپڑے اور تھوڑے بہت پیسے مل جاتے۔ تین بچے تھے ایک بیٹا نجیب اور اس سے چھوٹی دو بہنیں..... اسٹیشن کے نزدیک ایک سرکاری اسکول تھا جس میں تینوں بہن، بھائی پڑھنے جایا کرتے تھے۔ پرائمری سیکشن میں لڑکے، لڑکیاں اکھٹے پڑھتے، چھٹی جماعت میں لڑکیاں اور لڑکے علیحدہ ہو جاتے۔ وسیع و عریض احاطے میں اسکول کے تین فریق تھے۔ پرائمری، گرلز سیکنڈری اور بوائز سیکنڈری۔ ماں کی بڑی خواہش تھی کہ اس کے تینوں بچے لکھ پڑھ جائیں۔ وہ نہ تو بیٹے کو باپ کی طرح مسافروں کا اسباب ڈھوتے دیکھنا چاہتی تھی، نہ بیٹیوں کو اپنی طرح گھر، گھر کام کرتے..... تینوں بچوں کو پڑھائی کی لگن تھی۔ رات کو جب آس پاس گھروں میں بچے پڑ کر سو جاتے، تینوں لالٹین کی روشنی میں بیٹھے پڑھتے رہتے، کبھی جب لالٹین کی لو تیل کی کمی سے مدھم پڑ جاتی نجیب اپنا بستہ اٹھا کر ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم یا ویٹنگ روم میں جا بیٹھتا اور رات بھر پڑھتا رہتا۔ اسے ڈاکٹر بننے کی لگن تھی۔ اس کی ماں نے اس کے دل میں بچپن سے یہ بات ڈال رکھی تھی کہ اسے ریلوے اسپتال کے ڈاکٹر بابو کی طرح ڈاکٹر بننا ہے۔

میٹرک میں نجیب نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ایف ایس سی میں دن رات ایک کر کے اکیانوے فی صد نمبر حاصل کیے۔ یوں میڈیکل کالج میں اسے میرٹ پر داخلہ مل گیا۔ اس کے ڈاکٹر بننے تک ایک بہن کی شادی ہو چکی تھی دوسری ایک اسکول میں پڑھا رہی تھی۔ ہاؤس جاب کے بعد ڈاکٹر نجیب کو ایک سرکاری اسپتال میں ملازمت مل گئی۔ ان دنوں سرکاری ملازمت ملنا اتنا مشکل نہیں تھا جتنا کہ آج..... ملازمت کے آغاز ہی میں ڈاکٹر نجیب کو ڈاکٹرز کالونی میں سرکاری رہائش گاہ بھی مل گئی۔ اہلِ خانہ اس رہائش گاہ میں شفٹ ہو گئے۔ باپ نے قلی کا کام ترک کر دیا تھا۔ ماں بھی عرصہ ہوا محنت مزدوری کرنا چھوڑ چکی تھی۔

سرکاری ملازمت کے ساتھ ڈاکٹر نجیب نے جلد ہی شہر کی ایک گنجان غریب بستی میں اپنا ذاتی کلینک بھی شروع کر دیا..... مقصد پیسہ کمانا نہیں، غریبوں اور ناداروں کی خدمت تھی۔ ڈاکٹر نجیب کو اپنا اور اپنے خاندان کا برا وقت بھولا نہیں تھا۔ موسمِ سرما میں وہ اور اس کی بہنیں گرم کپڑوں کے بنا ٹھٹھرتے ہوئے اسکول جایا کرتے تھے۔ ایک وقت تھا کہ جب اس کی ماں کے پاس کبھی، کبھی ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جب وہ اپنے باپ کو سر پر اوپر تلے تین، تین ٹرنک اٹھائے ایک ہاتھ سے ان ٹرنکوں کو سنبھالے اور دوسرے ہاتھ کی بغل میں سامان دبکائے دیکھتا تو اس کا دل ڈرنے لگتا تھا کہ کہیں کسی روز اس کا باپ سامان کے بوجھ تلے بیٹھ ہی نہ جائے۔ گئے دنوں کے دکھ ڈاکٹر نجیب کو دوسروں کے دکھ سمجھنے میں مدد دیتے۔ میڈیکل کالج میں اپنے دورِ طالب علمی ہی سے وہ غریبوں کا انتہائی ہمدرد رہا تھا۔ شاید یہی ادا تھی کہ خدا کو اتنی بھا گئی تھی کہ ڈاکٹر نجیب کے ہاتھ میں اس نے ایسی شفا سمو دی تھی کہ سرکاری اسپتال میں اس کے شعبے میں آنے والے ہر مریض کی یہ کوشش ہوتی کہ ڈاکٹر نجیب ہی اس کی نبض پر ہاتھ رکھے۔ پرائیویٹ کلینک میں تو مریضوں کا وہ اژدھام

www.UrduPalace.com

ہوتا کہ خدا کی پناہ.....

وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ بطور معالج ڈاکٹر نجیب کی مہارت اور شہرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ماں بہت خوش تھی باپ مغرور کہ بیٹا وہاں جا پہنچا تھا جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکتا تھا۔ دوسری بہن بھی اپنے گھر بار کی کر دی گئی تھی۔ اب ڈاکٹر نجیب کی شادی کا معاملہ درپیش تھا۔ والدین نے شریکِ حیات کا انتخاب بیٹے پر چھوڑا۔

ندرت اسی سرکاری اسپتال میں نرس تھی جہاں ڈاکٹر نجیب ملازمت کر رہے تھے۔ ندرت بہت خوب صورت تھی۔ اس کا تعلق ایک نچلے متوسط گھرانے سے تھا۔ ڈاکٹر نجیب اسے پسند کرتے تھے مگر اس پسند کا اظہار ندرت سے کرتے ڈرتے تھے کہ وہ ماہ تاباں تھی اور ڈاکٹر نجیب اس کے قطعاً برعکس..... دونوں میں زمین آسمان کا تضاد تھا۔ ڈاکٹر نجیب کا قد چھوٹا، جسامت بے ڈول، رنگت نہایت سیاہ تھی۔ جبکہ ندرت سرو قامت، دبلی پتلی اور بے حد گوری چٹی تھی۔ ایک دو نہیں متعدد ڈاکٹرز تھے جو اس پر مرتے تھے لیکن وہ جتنی خوب صورت تھی اس سے کہیں زیادہ باکردار..... اپنے کام سے کام رکھتی..... وقت پر آتی وقت پر جاتی۔ اپنے پیشہ ورانہ فرائض ذمے داری اور دیانت داری سے سر انجام دیتی۔ اسپتال میں کام کرنے والے کسی شخص کو بلا ضرورت بے تکلف ہونے کا موقع نہیں دیتی۔ مریضوں کا پورا خیال رکھتی مگر کسی کو حد سے آگے نہ بڑھنے دیتی۔ اس کا کبھی کوئی اسکینڈل دیکھنے یا سننے میں نہیں آیا تھا۔

"سسٹر ندرت میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر نجیب نے بہت محتاط لہجے میں اس سے بات کی تھی۔

"جی..... پوچھیے....."

"آ..... آپ..... کہیں انگیجڈ تو نہیں؟"

"جی نہیں....."

"کیا میں اپنے گھر والوں کو آپ کے گھر بھیج سکتا ہوں؟" وہ کچھ دیر چپ رہی پھر اس نے کہا۔

"آپ ڈاکٹر ہیں اور اس اسپتال میں آپ کی اچھی بھلی شہرت اور عزت ہے..... میں بھی آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" اس کے چپ ہو جانے پر ڈاکٹر نجیب نے کہا۔

"میں..... میں ایک نرس ہوں..... بہت معمولی گھرانا ہے میرا..... آپ تو اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیج کر اور ہمارا لونگ اسٹینڈرڈ دیکھ کر پیچھے ہٹ جائیں گے، میرا مذاق بنے گا۔"

"یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا؟"

"لوگ سمجھیں گے میں نے آپ کو پھانسنے کی کوشش کی مگر آپ پھنسے نہیں، میرا مذاق اڑایا جائے گا..... بھپتیاں کسی جائیں گی کہ نرس ہو کر ڈاکٹر کے خواب....."

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔"

"ایسا ہی ہوگا ڈاکٹر صاحب..... لالو کھیت میں ندی کے کنارے ہمارا دو کمروں کا مکان اتنا تنگ و تاریک ہے کہ آپ کے گھر والے وہاں زیادہ دیر بیٹھنا بھی پسند نہیں کریں گے۔"

"تم انہیں آنے کا موقع تو دو اپنے گھر....." ڈاکٹر نجیب آپ سے تم پر آ گئے۔

"فائدہ.....؟"

"نقصان بھی کچھ نہیں۔"

"آپ کو نہیں مگر مجھے ہے..... میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر خواب نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"مگر میں تو دیکھتا ہوں اور تعبیر بھی اپنی مرضی کی پاتا ہوں۔"

"میں آپ کی قسمت پر رشک ہی کر سکتی ہوں۔"

"تمہارے پاس دو کمروں کا مکان تو ہے، ہمارے پاس کبھی یہ بھی نہیں تھا۔ میرے والد اسٹیشن پر قلی تھے۔ والدہ گھروں میں کام کرتی تھیں۔ ہماری لالٹین میں اکثر مٹی کا تیل بھی نہیں ہوتا تھا۔

www.UrduPalace.com

میں ریلوے پلیٹ فارم یا ویٹنگ روم میں بیٹھ کر پڑھا کرتا تھا۔'' ندرت آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے ڈاکٹر نجیب کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ مذاق کررہے ہیں۔'' اس نے ڈاکٹر نجیب کے چپ ہوجانے پر کچھ دیر بعد کہا۔

''نہیں..... یہ حقیقت ہے..... لیکن جیسا کہ میں نے تم سے کہا، میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر خواب دیکھتا ہوں اور تعبیر بھی اپنی مرضی کی پاتا ہوں..... میری والدہ کی خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں، میں نے ان کی اس خواہش کو اپنے دل میں بسایا۔ سفر مشکل تھا مگر کٹ ہی گیا۔ میں نے بھی اپنی والدہ کو ان کے خواب کی تعبیر دی۔ اب میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں، مجھے یقین ہے مجھے اس کی تعبیر بھی اپنی مرضی کی ملے گی۔''

ندرت خاموش رہی۔

''کیا کہتی ہو؟'' ڈاکٹر نجیب نے اس سے پوچھا۔

''مجھے آپ کی یہ بات اچھی لگی ہے۔'' وہ بولی۔

''کون سی.....؟''

''کہ آپ نے خود کو کسی پردے میں چھپانے کی کوشش نہیں کی..... لوگ جو نہیں ہوتے وہ نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''فائدہ کچھ نہیں..... حقیقت بالآخر کھل ہی جاتی ہے۔''

''یہ کون سوچتا ہے۔''

''کیا کہتی ہو..... بھیج دوں؟''

''کسے؟'' وہ بے ساختہ چونکی۔

''اپنے گھر والوں کو سسٹر ندرت۔''

''ایک شرط پر.....'' وہ خلافِ عادت مسکرائی۔

''کیا.....؟'' وہ چونکا۔

''آپ مجھے سسٹر نہیں کہیں گے۔''

''اوہ.....'' وہ جھینپ کر مسکرایا۔

☆☆☆

ندرت کے گھر والوں کی طرف سے انکار کا اگر کوئی سبب ہوسکتا تھا تو وہ صرف یہ کہ ندرت اور ڈاکٹر نجیب کا ظاہراً کوئی جوڑ نہیں تھا۔ ندرت سرو قامت، خوب صورت اور دلکش تھی جبکہ ڈاکٹر نجیب پستہ قامت، بے ڈول اور حبشیوں کی طرح سیاہ فام.....

''باقی تو سب ٹھیک ہے مگر..... بہر حال دیکھ لو..... بیٹی یہ نہ کہے کہ میرا جوڑ نہیں دیکھا۔'' ندرت کے باپ نے اس کی ماں سے کہا۔

''ہاں۔'' ماں نے شوہر کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''جو آدمی آنکھ ہی کو نہ بھائے اسے دل کیسے قبول کرے گا بھلا..... مگر رشتہ اچھا ہے..... ندرت کی قسمت تیز ہے جو گھر بیٹھے ایسا اچھا رشتہ آگیا۔ کنبہ بھی مختصر ہے، دو بہنیں، اکلوتا بھائی..... بہنیں دونوں اپنے، اپنے گھر کی..... ماں، باپ بوڑھے بھلا کتنے دن کے۔''

''ندرت سے پوچھ لو..... گزارہ اسی کو کرنا ہے۔'' باپ نے رائے دی۔

ندرت جس نے گھر والوں پر یوں ظاہر کررکھا تھا جیسے ڈاکٹر نجیب کا رشتہ آنے میں اس کا کوئی بیچ ہی نہیں تھا۔ اپنی رضا معلوم کیے جانے پر بولی۔

''شکل صورت میں کیا رکھا ہے۔ سارے انسان اللہ کے بنائے ہوئے ہیں..... کوئی خوب صورت آدمی ہو مگر جاہل اور نکما ہو تو.....''

گھر والوں کو جواب مل گیا تھا۔

''تم شادی کے بعد جاب نہیں کروگی۔'' ڈاکٹر نجیب نے ندرت سے کہا۔ ندرت کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ وہ تو دل سے چاہتی تھی کہ کبھی دن کبھی رات کی ڈیوٹیوں سے نجات ملے۔

ندرت کی ''ساتھیاں'' اس کی قسمت پر رشک کررہی تھیں۔ ڈاکٹر اور وہ بھی وہ جس کی مریضوں، جونیئرز اور اپنے برابر کے ساتھیوں میں ہی نہیں سینئرز میں بھی عزت تھی۔

شادی سے قبل ہی ندرت نے ملازمت چھوڑ دی۔

شادی ہوگئی۔ ابتدائی دنوں کے چاؤ چونچلوں کے بعد ندرت نے گھر سنبھال لیا۔ ساس، سسر، شوہر، نندیں سب خوش تھے۔ ندرت کے آنے سے گھر

www.UrduPalace.com

میں اجالا سا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نجیب بیوی کے سامنے بچھا' بچھا جاتا۔ اپنوں پرایوں سب میں ڈاکٹر نجیب کی بیوی کی خوب صورتی کی دھوم مچی ہوئی تھی..... دونوں اکٹھے باہر نکلتے تو لوگ انہیں چونک کر دیکھنے لگتے۔ ڈاکٹر نجیب کے ایک دوست نے دونوں کی دعوت کی تو ان کے نوعمر بچوں نے جنہیں والدین نے اظہارِ رائے کی پوری آزادی دے رکھی تھی، کھانے کی میز پر بہت بے باکی سے کہا۔

''انکل افریقا کے لگتے ہیں اور آنٹی انگریز.....''

''ہاں بھئی ایسا ہی ہے۔'' ڈاکٹر نجیب نے مسکراتے ہوئے کہا مگر ندرت کو بچوں کی یہ بات اچھی نہ لگی۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ اس کے چہرے پر ناگواری تھی۔

شوہر ڈاکٹر نجیب جیسا چاہنے والا ہو تو ندرت کیا، کوئی بھی سمجھدار بیوی ان بچوں کی بات پر اسی طرح ناگواری محسوس کرتی۔ ڈاکٹر نجیب سے اس کی شادی ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا مگر اس قلیل عرصے میں اس نے اسے اتنی محبت، اتنی عزت دی تھی کہ وہ دل و جان سے اس کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ وہ اس کا اتنا خیال رکھتا کہ اسے یوں لگتا جیسے ماں، باپ کا گھر چھوڑ کر وہ کسی جنت میں آبسی تھی۔ پرائیویٹ کلینک میں ڈاکٹر نجیب کی پریکٹس کافی اچھی چل رہی تھی۔ سرکاری اسپتال کی نوکری سے ملنے والی تنخواہ بھی اچھی تھی۔ ندرت جس شے کی طرف نظر اٹھا دیتی اس کا خریدنا ڈاکٹر نجیب کے لیے لازم ہوتا۔

ندرت کے گھر والے خوش تھے کہ اُن کی بیٹی کو صحیح قدر دان مل گیا تھا۔ اور ڈاکٹر نجیب کے والدین مطمئن کہ ان کے بیٹے کو ایسی شریکِ حیات ملی تھی جو عام عورتوں کی طرح ناشکری اور بے فیض نہ تھی۔ وہ شوہر کا نہ صرف خیال رکھتی بلکہ اس کا احترام بھی کرتی..... ساس، سسر کو عزت دیتی، نندیں گھر آتیں تو ان کی آؤ بھگت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے باقی سسرالی رشتے داروں کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا

نیا سال

مبارک ہو!

اپنے ساتھ یادوں کی سوغات لیے
اشکوں کی برسات لیے
اور الوہی جذبوں سے معمور
دعاؤں کے ڈھیر سارے پھول لیے
پھر نیا سال آیا
اور ایسے سمے میں
آنکھوں کے بیش بہا خزانے لٹاتی
میری آنکھیں
تمہارے لیے
دعاؤں کے پھول چن رہی ہیں
نیلے امبر کو چھوتی میری نگاہیں
تمہارے لیے خوشیوں کی دعائیں
مانگ رہی ہیں
اور کہہ رہی ہیں میری مسرت بھری
یہ آنکھیں
اے دوست تمہیں
''نیا سال مبارک ہو''

مرسلہ: صائمہ مشتاق، سرگودھا

www.UrduPalace.com

تھا۔ مائیں اور ساسیں اپنی بیٹیوں اور بہوؤں کو اس کی مثالیں دیتیں۔ وہ واقعی بہت سمجھدار تھی۔ اتنی سمجھدار کہ شادی کے بعد کچھ دنوں تک تو وہ نو بیاہی دلہنوں کی طرح بنتی سنورتی رہی لیکن جب اس نے یہ محسوس کیا کہ نجیب کے ساتھ باہر جانے پر لوگ ان دونوں کے درمیان ظاہری تضاد کو دیکھ کر خواہ مخواہ ہی ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو اس نے بننا سنورنا بتدریج کم کر دیا تھا۔ گھر سے باہر جاتے ہوئے وہ شوخ رنگ کپڑے پہننے سے گریز کرتی۔ میک اپ بہت ہوا تو آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر ہلکے شیڈ کی لپ اسٹک..... سادگی اختیار کر کے وہ اپنے اور نجیب کے درمیان ظاہری شخصیت کے تضاد کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرتی۔ جہاں تک دل کے اندر کی بات تھی وہ نجیب سے انتہائی محبت کرنے لگی تھی۔ صورت شکل سے کیا ہوتا ہے آدمی کا من اجلا ہونا چاہیے اور اس اعتبار سے وہ لاکھوں میں ایک تھا۔ مرد کی شخصیت شاندار ہو مگر وہ عورت کا خیال نہ رکھے، اسے آرام نہ دے، اس کی ضرورتیں پوری نہ کرے۔ اسے عزت سے محروم رکھے۔ اپنے پاؤں کی جوتی سمجھے تو اس کے ظاہری حسن کو لے کر چاٹنا ہے کیا..... عورت، مرد سے تحفظ، آرام، محبت اور عزت کی طلبگار ہوتی ہے اور یہ سب کچھ ڈاکٹر نجیب نے اسے بے بہا، بے حساب دیا تھا سو اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ اس کے لیے اس دنیا کا حسین ترین اور محبوب ترین شخص کون ہے تو وہ آنکھ بند کر کے نجیب کا نام لیتی۔

☆☆☆

آٹھ سال کے عرصے میں تین بچوں کی وقفے، وقفے سے پیدائش نے ڈاکٹر نجیب اور ندرت کے باہمی رشتے کو مزید جلا دی..... مدحت سب سے بڑی تھی۔ اس سے تین سال چھوٹی عفت اور پھر اریب..... ڈاکٹر نجیب کو تینوں سے بے حد پیار تھا۔ والدین اللہ کو پیارے ہو چکے تھے گھر میں اب وہ دونوں میاں، بیوی تھے اور تین بچے..... گھر میں خدا کے فضل سے ہر طرح کی فراغت تھی۔ ڈاکٹر نجیب کی سرکاری نوکری کے ساتھ پرائیویٹ پریکٹس بھی جاری تھی۔ وقت گزارنے کے ساتھ، ساتھ ڈاکٹر نجیب کی صفتِ مسیحائی میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔ اس کے نام کے ساتھ لمبی چوڑی غیر ملکی ڈگریوں کی فہرست آویزاں نہ تھی مگر خدا جسے چاہے دستِ شفا عطا فرما دے۔ اسپتال میں ڈاکٹر نجیب کے شعبے میں آنے والے ہر مریض کی یہی خواہش ہوتی کہ ڈاکٹر نجیب اپنا دستِ شفا اس کی نبض پر رکھے۔ ڈاکٹر نجیب کی پرائیویٹ کلینک پر مریضوں کا اتنا اژدھام ہوتا جیسے مرید اپنے پیر کی قدم بوسی کو پہنچے ہوئے ہوں۔ ڈاکٹر نجیب کے بارے میں کہا جاتا کہ وہ جس کی نبض پر ہاتھ دھر دے اس کی شفا یقینی.....

سرکاری اسپتال میں ڈاکٹر نجیب کے اوقاتِ کار کے دوران دہشت گردی کی شکار ایک ادھیڑ عمر خاتون بیگم محمود علی خان، ڈاکٹر نجیب کے وارڈ میں لائی گئی۔ خاتون بے ہوش تھی۔ اس کے ہمراہ آنے والے ڈرائیور نے جو خود بھی زخمی حالت میں تھا بتایا کہ وہ خاتون کو شاپنگ کے لیے ان کی کار میں لے جا رہا تھا کہ راستے میں تین نامعلوم افراد نے گاڑی روکی اور اسے اور اس کی مالکن کو جو عقبی نشست پر تھی گن پوائنٹ پر لے لیا۔

ان میں سے ایک نے خاتون سے اس کا بیگ اور قیمتی جیولری ہتھیانے کی کوشش کی تو خاتون نے مزاحمت کی، دہشت گردوں نے فائر کھول دیا۔ خاتون پر بھی اور اگلی نشست پر بیٹھے ڈرائیور کی ٹانگ میں بھی گولی ماردی تاکہ وہ خاتون کا دفاع نہ کر سکے۔ خاتون شدید زخمی تھی۔ راہ گیروں نے دہشت گردوں کے فرار کے بعد خاتون اور اس کے ڈرائیور کو اسپتال پہنچایا تھا۔

خاتون تقریباً ڈیڑھ ماہ اسپتال میں زیرِ علاج رہی اور اس دوران ڈاکٹر نجیب نے اس کے علاج معالجے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ نہ صرف ان زخموں کا علاج جو دہشت گرد اس معمر خاتون کو لگا

www.UrduPalace.com

گئے تھے بلکہ اس خوف کا علاج بھی جو دہشت گردوں کے اس حملے کے نتیجے میں اس خاتون کے دل میں اثر کر گیا تھا۔

صحت یابی کے بعد بیگم محمود علی خان نے ڈاکٹر نجیب کو مع اہلِ خانہ اپنے گھر مدعو کیا۔ بیگم محمود علی ایک متمول خاتون تھیں۔ شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اولاد کوئی نہیں تھی۔ عزیز، رشتے دار سب خوشحال اور اپنی، اپنی دنیا میں مگن، شہر کی ایک معروف اور مصروف شاہراہ پر لب سڑک واقع ایک خوب صورت کوٹھی میں بیگم محمود تنہا رہتی تھیں۔ گھر کے کام کاج کے لیے انہوں نے ایک ملازم جوڑا کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں رکھا ہوا تھا۔ عورت گھریلو کام کاج کرتی۔ مرد باہر کے کام نمٹاتا، مالی گیری، چوکیداری، ڈرائیوری سب اس کے ذمے تھا۔ دونوں کے چار بچے تھے۔ بیگم محمود میاں، بیوی کو ان کی خدمات کے عوض ماہانہ تنخواہ دیتیں اور چاروں بچوں کے تعلیمی اور دیگر اخراجات میں فراخدلی سے مدد کرتیں..... محمود علی خان اس کوٹھی کے علاوہ ایک شاپنگ مال بھی چھوڑ کر مرے تھے جسے محمود علی خان کا ایک سیکنڈ کزن اور ان کے بیٹے چلاتے تھے۔ اس مال سے بیگم محمود علی کو ہر ماہ خطیر رقم مل جاتی جس سے وہ فراغت کی زندگی گزار رہی تھیں۔

بیگم محمود علی خان کے مدعو کرنے پر ندرت اور بچوں سے ملاقات کے بعد ڈاکٹر نجیب سے بیگم محمود کا تعلق صرف معالج اور مریض کا نہ رہا بلکہ بیگم محمود نے انہیں اپنے ''فیملی فرینڈز'' کا درجہ دے دیا۔ گہرے مراسم کی استواری میں بیگم محمود نے زیادہ سرگرمی دکھائی۔ وہ ڈاکٹر نجیب اور فیملی کو بہ اصرار جلدی، جلدی اپنے ہاں بلاتیں۔ خود بھی ڈاکٹر نجیب کے گھر آتیں مگر اپنی عمر اور جوڑوں کے درد کو زیادہ نہ آنے کا جواز بتاتیں.....

''آپ لوگ جوان ہو، ایکٹو ہو میں زیادہ کہیں نہیں آ، جا سکتی..... جب بلایا کروں تو آنے میں تکلف نہ کیا کرو..... یہ سمجھا کرو کہ ماں نے بلایا ہے۔'' بیگم محمود علی کے ایک مرتبہ یہ کہنے کے بعد نجیب نے ان کے بلانے پر تکلف سے کام لینا چھوڑ دیا تھا بلکہ کبھی، کبھی بن بلائے بھی وہ بیوی بچوں کو لے کر ان سے ملنے پہنچ جاتا۔

بیگم محمود علی سے نجیب اور اہلِ خانہ کا یہ تعلق آٹھ برس سے زائد برقرار رہا۔ پھر بیگم محمود علی اچانک بہت بیمار پڑ گئیں۔ بلڈ کینسر تشخیص ہوا۔ نجیب ان کے علاج معالجے میں معاون رہا مگر بیگم صاحبہ شفایاب نہ ہو سکیں۔ اپنی علالت کے آخری دنوں میں انہوں نے اپنی شاندار کوٹھی عام لوگوں کے علاج معالجے کے لیے ایک اسپتال قائم کرنے کو ڈاکٹر نجیب کے نام کر دی۔ اس کا انکشاف ان کی موت کے بعد وصیت نامہ کھلنے پر ہوا۔ ان کا بقیہ ترکہ شرعی وارثان کو ملنا تھا۔ اپنی ایک تہائی جائداد کی بابت وہ وصیت کرنے کی مجاز تھیں اور کوٹھی کی مالیت ان کے ترکے کا تقریباً ایک تہائی ہی بنتی تھی۔

گو وارثان کو بیگم محمود کی وصیت آسانی سے ہضم نہیں ہوئی مگر وصیت میں کوئی قانونی سقم نہ ہونے کے باعث انہیں قبول کرنا ہی پڑا۔

ڈاکٹر نجیب نے بیگم محمود سے ملنے والی کوٹھی میں ایک اسپتال قائم کر دیا جہاں ایک عام آدمی بھی معمولی فیس پر علاج معالجے کی سہولت حاصل کر سکتا تھا۔ اسپتال چلانا کل وقتی ذمے داری تھی، ڈاکٹر نجیب نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور... پرائیویٹ کلینک میں اپنی پریکٹس ختم کر کے بیگم محمود علی خان مرحومہ کی کوٹھی میں قائم اسپتال کے لیے اپنی خدمات وقف کر دیں۔ اسپتال میں ان کے علاوہ بھی ایک فی میل اور دو میل ڈاکٹرز ملازم رکھے گئے۔ دیگر اسٹاف ان کے علاوہ تھا۔

☆☆☆

وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ ڈاکٹر نجیب اور ندرت کے درمیان ہم آہنگی میں مثالی اضافہ ہوا تھا۔ ان کے حلقۂ احباب میں ان کی باہمی محبت کی مثالیں دی

www.UrduPalace.com

جاتیں۔ ڈاکٹر نجیب اپنے تینوں بچوں کے لیے بھی سراپا محبت تھے۔ تینوں بچوں کو انہوں نے انتہائی لاڈ سے پالا تھا۔ کبھی ان کی کوئی فرمائش رد نہیں کی تھی۔ جب سے بچے بڑے ہوئے تھے۔ سال میں کم از کم ایک مرتبہ وہ انہیں ساتھ لے کر اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک تفریح کے لیے ضرور لے جاتے..... ندرت کی سابقہ سہیلیاں اور خاندان والے اس کی قسمت پر رشک کرتے..... بچوں سے ڈاکٹر نجیب کی محبت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بیوی بچوں کے لیے علیٰحدہ گاڑی اور ڈرائیور ہونے کے باوجود وہ صبح بچوں کو خود اُن کے اسکول، کالج چھوڑتے اور واپسی پر خود ہی پک کرتے۔

مدحت کالج میں پہنچ چکی تھی۔ عفت او لیول کر رہی تھی اریب آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ عفت اور اریب کی چھٹی ڈیڑھ بجے ہوتی۔ مدحت دو بجے کے لگ بھگ کالج سے فارغ ہوتی۔ ڈاکٹر نجیب ڈیڑھ بجنے سے پہلے ہی عفت اور اریب کے اسکول کی پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی لا کر کھڑی کر دیتے۔ دونوں بچے جب چھٹی کے بعد پارکنگ لاٹ کی طرف آتے تو ڈاکٹر نجیب انہیں آتا دیکھ کر گاڑی سے اتر آتے۔ ان کے قریب آنے پر انہیں ہگ (گلے لگانا) کرتے۔ ان کے بیگ سنبھالتے، عفت پچھلی نشست پر بیٹھتی اریب آگے۔ انہیں لے کر ڈاکٹر نجیب، مدحت کو لینے کے لیے اس کے کالج روانہ ہو جاتے۔ راستے بھر دونوں بچے انہیں اسکول میں گزرے وقت کا احوال سنانے لگتے۔

''پاپا آج ہماری اسپورٹس ٹیچر نے ریسز کروائیں۔'' اریب بتاتا۔

''پاپا میں نے کلاس میں اسپیچ کی۔'' عفت کہتی۔

''پاپا.....! آئس کریم۔'' اریب فرمائش داغتا اور ڈاکٹر نجیب کی گاڑی یوں رک جاتی جیسے اریب کی فرمائش گاڑی کا ریموٹ کنٹرول تھی۔

بچوں کی فرمائشیں ڈاکٹر نجیب کو اچھی لگتیں۔ تعطیلات گزارنے کے لیے مقام کا انتخاب وہ ہمیشہ بیوی بچوں کی مرضی سے کرتے۔

''پاپا اس مرتبہ ملائشیا۔'' مدحت کہتی۔

''نہیں انگلینڈ۔'' عفت ٹھکتی۔

''اس بار سنگاپور نہ چلیں۔'' ندرت کہتی۔

بالآخر کسی ایک مقام پر سب کا اتفاق رائے ہو جاتا۔ تعطیلات گزارنے کے لیے بیوی بچوں کو بیرون ملک لے جانا اب ایسا ہی تھا جیسے پنڈی یا اسلام آباد میں رہنے والے مری گھوم آنے کی بات کرتے ہیں۔ خدا نے ڈاکٹر نجیب کو بہت نوازا تھا۔

فضائی سفر کے دوران اگر ندرت یا بچوں میں سے کوئی یہ کہہ دیتا کہ جہاں وہ جا رہے تھے وہاں کے بجائے فلاں جگہ جانا چاہیے تھا تو ڈاکٹر نجیب کا بس نہ چلتا کہ کاک پٹ میں جا کر پائلٹ کو جہاز کا رخ اس مقام کی طرف موڑنے پر مجبور کر دیں۔ جس کی فرمائش کی جا رہی ہوتی۔

ندرت اور اس کے بچے واقعی خوش قسمت تھے کہ خدا نے انہیں ڈاکٹر نجیب جیسا شوہر اور باپ دیا تھا۔

☆☆☆

لیکن اس خوش قسمتی کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔

بیگم محمود علی خان مرحومہ کی کوٹھی میں قائم نجیب جنرل اسپتال میں ملازم ایک نرس نور جہاں نے ڈاکٹر نجیب کو اپنے دام میں پھانس لیا۔ وہی ڈاکٹر نجیب جو اپنی باوفا شریکِ حیات ندرت کا منہ دیکھ کر گھر سے نکلتے تھے اور گھر واپسی پر سب سے پہلے اسی کو دیکھنے کے متمنی ہوتے تھے، اس سے کترائے، کترائے سے رہنے لگے۔ بچوں کے اسکول کی پارکنگ لاٹ میں سب سے پہلے آ کر کھڑی ہونے والی ڈاکٹر نجیب کی کار اب اکثر دیر سے آنے لگی۔ عفت اور اریب پارکنگ لاٹ سے متصل شیڈ میں بیٹھے ہر آنے جانے والی گاڑی کو تکتے رہتے۔ پارکنگ لاٹ میں گاڑیوں کی اور شیڈ تلے بچوں کی تعداد کم سے کم ہوتی چلی جاتی۔ کبھی، کبھی تو ڈاکٹر نجیب کو آنے میں اتنی دیر ہو جاتی کہ شیڈ تلے بس وہی دونوں بیٹھے رہ جاتے۔ ڈیوٹی ٹیچر ناک بھوں

www.UrduPalace.com

چڑھانے لگتی۔ مین گیٹ پر تعینات چوکیدار دور سے آوازیں لگاتا۔

''کیا بات ہے بچوں آپ کے ابو دیر سے کیوں آنے لگے ہیں؟''

اس سوال کا جواب تو انہیں ان کے بار، بار پوچھنے کے باوجود باپ سے بھی نہیں مل سکا تھا۔ انتظار کرتے وہ روہانسے ہوجاتے۔ ڈاکٹر نجیب آتے تو نہ پہلے کی طرح انہیں ہگ کرتے نہ ان کے بیگ سنبھالتے، اپنی سیٹ پر بیٹھے ہی بیٹھے وہ بچوں سے کہتے۔

''بیٹھو بھئی جلدی بیٹھو..... مدحت کو بھی لینا ہے ابھی۔''

''پاپا... آپ دیر سے کیوں آتے ہیں؟'' اریب منہ بنا کر کہتا۔

''صرف تمہی کو نہیں لینا ہوتا اور بھی کام ہوتے ہیں مجھے۔'' ڈاکٹر نجیب ناگواری سے کہتے۔

''پہلے بھی تو کام ہوتے تھے آپ کو..... پہلے تو آپ جلدی آجاتے تھے۔'' عفت پھولے، پھولے لہجے میں کہتی۔

ڈاکٹر نجیب کے پاس اس اعتراض کے جواب میں خاموشی ہوتی۔

مدحت الگ اپنے کالج میں صبر آزما انتظار سے زچ ہوئی بیٹھی ہوتی۔ وہ اپنا بیگ سیٹ پر پھینک کر منہ پھلائے گاڑی میں بیٹھتی۔

''اتنی دیر کیوں ہوجاتی ہے آپ لوگوں کو۔'' گھر پہنچتے تو ندرت فکر مند ملتی۔ ڈاکٹر نجیب آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوشش کرتے۔

''پہلے بھی یہی شہر تھا، یہی سڑکیں، یہی ٹریفک..... پہلے تو آپ کو اتنی دیر کبھی نہیں ہوتی تھی۔'' ندرت رسماں لہجے میں کہتی۔

''جاؤ جا کر ان بینکوں سے پوچھو جنہوں نے ایک، ایک گھرانے کو چار، چار گاڑیاں سود پر دے دی ہیں، جسے دیکھو گاڑی نکالتا ہے اور سڑک پر چلا آتا ہے..... پھر تو یہی ہوگا ناں..... میں تو خود اتنا بیزار ہوجاتا ہوں ان لوگوں کی وجہ سے مجھے اسپتال کے دس کام چھوڑ کر اٹھنا پڑتا ہے۔ سوچتا ہوں انہیں ڈرائیور ہی پک اینڈ ڈراپ کر دیا کرے تو اچھا۔''

''نہیں پاپا نہیں۔'' بچے ایک آواز ہوجاتے۔

''ڈرائیور کے ساتھ نہیں۔'' باپ کی بڑی گاڑی میں آنا جانا انہیں ڈرائیور کے ساتھ چھوٹی گاڑی میں آنے جانے سے زیادہ اچھا لگتا۔

''تو پھر برداشت کرو..... دیر تو ہوگی۔''

چھٹی والے دن بیوی، بچوں کے ساتھ کہیں باہر آنے جانے کے معمول سے بھی ڈاکٹر نجیب کو اب دلچسپی نہیں رہی تھی۔ چھٹی والے دن وہ اسپتال کے کام نمٹانے کے لیے گھر سے نکل جاتے۔ نور جہاں ... ڈیوٹی پر ہوتی۔ آیا ڈاکٹر نجیب کے لیے چائے بناتی مگر ان کے کمرے میں چائے نور جہاں خود لے کر جاتی۔ اپنے گھر سے وہ ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے کچھ نہ کچھ پکا کر بھی لاتی۔ جسے ڈاکٹر نجیب بڑے شوق سے تناول کرتے۔

اسپتال میں ڈاکٹر نجیب اور نور جہاں کی روز افزوں قربت پر چہ مگوئیاں شروع ہوچکی تھیں۔ ڈاکٹر نجیب کے لیے اسپتال کے ملازمین کی نگاہوں میں اب وہ پہلا سا احترام نہیں رہا تھا۔ نور جہاں کی بے حیائی دیدنی تھی۔ وہ خوب بن سنور کر ڈیوٹی پر آتی۔ رات کو اسپتال سے واپسی پر ڈاکٹر نجیب اسے ایک طے کردہ مخصوص مقام سے اپنی گاڑی میں بٹھاتے اور اس کے گھر تک چھوڑتے۔ راستے میں کسی ایسی جگہ رک کر جہاں کسی شناسا کے مل جانے کا امکان نہ ہوتا، دونوں باہر کھاتے پیتے بھی تھے۔

نور جہاں ایک طلاق یافتہ جوان عورت تھی.... طلاق کے بعد وہ اپنے والدین کے گھر میں رہ رہی تھی۔ اس سے چھوٹی دو کنواری بہنیں اور ایک بھائی بھی اس گھر میں رہتے تھے۔ ڈاکٹر نجیب سے نور جہاں کے تعلقات اس کے گھر والوں سے پوشیدہ نہیں تھے بلکہ سچ تو یہ تھا کہ اس کے والدین اور بہن بھائی اس معاملے

www.UrduPalace.com

میں تو اس کی حوصلہ افزائی کررہے تھے۔ ڈاکٹر نجیب ان کے گھر آتے تو سب کے سب خدام ادب بن کر ان کی پیشوائی کو اٹھ جاتے۔ ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ ان کی ایسے مدح سرائی کی جاتی جیسے وہ بادشاہ سلامت ہوں اور باقی سب خوشامدی، درباری..... ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب کہتے ان سب کا منہ نہ سوکھتا..... نور جہاں اور ڈاکٹر نجیب کو جان بوجھ کر تخلیہ فراہم کیا جاتا اور نور جہاں اپنی عیارانہ اداؤں سے انہیں یوں لبھاتی کہ ڈاکٹر نجیب بھول جاتے کہ ان کے گھر میں ایک ایسی وفا شعار عورت ان کی واپسی کی منتظر بیٹھی تھی جس نے شوخ رنگ ملبوسات پہننا اور بننا سنورنا محض اس لیے ترک کردیا تھا کہ وہ اپنے پستہ قامت، بے ڈول اور کریہہ الصورت شوہر کے مقابلے میں حور نہ دکھائی دے۔ اب یہ اور بات تھی کہ اس کی اس احتیاط کے باوجود بھی وہ پہلوئے لنگور میں حور ہی دکھائی دیتی تھی۔

گھر واپسی پر جب ندرت جو اُن کے انتظار میں خود، بھی بھوکی بیٹھی ہوتی تھی۔ کھانا میز پر لگواتی تو وہ تھکن کا بہانہ کر کے آنکھیں موند کر بستر پر پڑ جاتے، آنکھیں کھول کر بیوی سے نظریں ملا بھی کیسے سکتے تھے۔

''بیچارے تھک جاتے ہیں۔'' ندرت کو ڈاکٹر نجیب پر ترس آنے لگتا۔

لیکن آخر کب تک..... بات ایک دن کھل ہی گئی۔

☆☆☆

ڈاکٹر نجیب کسی کانفرنس میں شرکت کا کہہ کر اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ ندرت کو ایک انجانے نمبر سے فون کال موصول ہوئی۔ فون کال کرنے والے مرد نے بتایا۔ ڈاکٹر نجیب کسی کانفرنس میں نہیں بلکہ اپنے اسپتال کی ایک نرس کو ساتھ لے کر دادِ عیش دینے بیرون شہر گئے تھے۔ ندرت کے ہاتھ پیروں سے جان جاتی رہی۔ ایسا کیسے ہوسکتا تھا۔ اپنے شوہر پر تو اسے خود اپنی ذات سے بھی بڑھ کر اعتماد تھا۔

''یہ جھوٹ ہے۔'' ندرت کے دل نے کہا۔

لیکن پھر اسی دل میں وہم آنے لگے۔

ڈاکٹر نجیب کے معمولات میں تبدیلی ایک فلم کی طرح اس کے ذہن کے پردے پر چلنے لگی۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور تھی۔

ڈاکٹر نجیب کے اسلام آباد قیام کے دوران ندرت نے ان سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا کہ اس میں اسے خود اپنی توہین محسوس ہوتی تھی۔ اس جیسی خوب صورت، باوفا اور باحیا بیوی کو چھوڑ کر کسی غیر عورت کے ساتھ اس کے شوہر کا گلچھرے اڑانے نکل جانا اس کی اپنی ذات کی توہین نہیں تو پھر کیا تھی۔

''آپ اسلام آباد کس کے ساتھ گئے تھے؟'' ڈاکٹر نجیب کی واپسی پر اس نے پوچھا۔

''دو تین ڈاکٹرز تھے۔'' ڈاکٹر نجیب نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

''میری طرف دیکھیے.....!'' وہ ان کے روبرو آ کھڑی ہوئی۔

''ہاں..... کیا بات ہے؟'' وہ اسے دیکھنے لگے مگر ان کی نظریں زیادہ دیر اس کی نگاہوں کی تاب نہیں لاسکیں اور جھک گئیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا، میں آپ سے کیا کہوں.....'' وہ روہانسی ہوگئی۔ ڈاکٹر نجیب نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''مجھے کسی نے فون کیا تھا۔''

''کس نے؟'' وہ بے ساختہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''کوئی مرد تھا..... شاید آپ کے اسپتال ہی کا کوئی آدمی ہو..... وہ وہ کہہ رہا تھا کہ آپ کسی کانفرنس میں نہیں..... اسپتال کی کسی نرس کے ساتھ اسلام آباد گئے ہیں۔''

''اچھا ہوا تمہیں پتا چل گیا۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولے۔

ندرت کو یوں لگا جیسے اس کے قدموں تلے سے

www.UrduPalace.com

زمین نکل گئی تھی اور آسمان پھٹ کر سر پر آ گرا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھامتی وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

''میں نے اس سے شادی کر لی ہے۔''

ندرت کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ آنکھیں پھاڑے سکتے کے عالم میں وہ ڈاکٹر نجیب کو دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً اس کے منہ سے فلک شگاف آہ نکلی۔ یہ آہ ایسی دردناک تھی کہ تینوں بچے گھبرا کر اپنے، اپنے مقام سے وہاں آ کھڑے ہوئے جہاں ڈاکٹر نجیب ایک مجرم کی طرح منہ چھپائے کھڑے تھے اور ندرت دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپے بلک، بلک کر رو رہی تھی۔ تینوں بچوں کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا۔ ''کیا ہوا؟''

مدحت ماں کی طرف بڑھی۔

''کیا ہوا پاپا؟ ماما رو کیوں رہی ہیں؟'' عفت نے باپ سے پوچھا۔ اریب کبھی ماں کو کبھی باپ کو دیکھ رہا تھا۔

''بتائیں ناں، ماما کیوں رو رہی ہیں؟'' عفت نے دوبارہ اور نہایت بے تابی سے پوچھا۔ ڈاکٹر نجیب نے اس کا ہاتھ جھٹکا اور منظر سے نکل گئے۔

☆☆☆

حیات کا منظر یکسر بدل گیا۔

ڈاکٹر نجیب نے ندرت کو طلاق دے دی۔ یہ ان کی دوسری بیوی کا مطالبہ تھا۔ ندرت کو ڈاکٹر نجیب کا گھر چھوڑنا پڑا۔ تینوں بچے اس کے ساتھ تھے۔ چھوٹا سا یہ بے خانماں قافلہ ندرت کے ماں، باپ کے گھر آ ٹھہرا..... تینوں بچے دم بخود تھے۔ آناً فاناً زندگی کتنی بدل گئی تھی۔

''تم لوگوں کو خرچا ملتا رہے گا۔'' ڈاکٹر نجیب نے مدحت کو فون کر کے کہا۔

''تھینک یو پاپا.....'' مدحت نے نہایت تلخی سے کہا۔ ''ہم آپ کے بھجوائے ہوئے خرچے کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔''

اس بے خانماں قافلے میں مدحت نے سب سے پہلے ہمت پکڑی۔

''آپ پریشان نہ ہوں ماما..... میں جاب کر لوں گی۔'' اس نے ماں کو تسلی دی۔

''نہیں بیٹا..... تم اپنی تعلیم مکمل کرو..... تمہیں ابھی کیا جاب ملے گی۔'' ندرت نے کہا۔ ''جاب میں کروں گی..... تم نہیں۔''

''نہیں..... آپ جاب نہیں کریں گی۔'' مدحت یک لخت بلک، بلک کر رونے لگی۔

''او کے..... او کے۔'' مدحت کے بلک، بلک کر رونے سے ندرت کا دل کٹنے لگا۔

''میں کالج اس لیے بھی نہیں جانا چاہتی کہ اپنی فرینڈز کو کیا بتاؤں گی۔'' مدحت نے کہا۔

''بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔'' ندرت نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''جب میں خود کالج آؤں، جاؤں گی تو میری فرینڈز پوچھیں گی تو سہی کہ تمہارے پاپا تمہیں پک اینڈ ڈراپ کیوں نہیں کرتے۔''

''کوئی بھی بہانہ کر دینا۔''

''نہیں ماما..... میں اب کالج نہیں جاؤں گی۔''

''پڑھائی ادھوری چھوڑ دو گی؟''

''پرائیویٹ پڑھوں گی..... اور جاب کروں گی۔''

''نامکمل تعلیم کے ساتھ تمہیں جاب کیا ملے گی میری جان۔''

''کچھ بھی..... کچھ بھی کر لوں گی ماما۔''

زندگی میں اس یک لخت تبدیلی سے عفت تینوں بچوں میں سے سب سے زیادہ متاثر تھی۔ ندرت نے اسے اور اریب کو اسکول آنے جانے کے لیے وین کا بندوبست کیا تو پہلے ہی دن گھر واپس آ کر عفت نے آنسوؤں کے دریا بہا دیے اور صاف اعلان کر دیا کہ وہ وین میں اسکول نہیں جائے گی۔

''اسکول نہیں جاؤ گی تو پڑھو گی کیسے؟'' ندرت نے سمجھایا۔

''مجھے نہیں پڑھنا۔''

www.UrduPalace.com

''کیوں؟''

''بس.....''

ندرت کا خیال تھا وقت کے ساتھ عفت بھی اس صدمے سے نکل آئے گی اور مدحت کی طرح ہمت پکڑ لے گی مگر عفت نہایت کمزور ثابت ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہمت پکڑنے کے بجائے وہ گم صم رہنے لگی۔ لوگوں کا سامنا کرنے سے گھبراتی، رات کو بستر پر اکیلی نہ سوتی۔ اس کی خواہش ہوتی کہ ماں کے سینے میں منہ دبکا کر سوئے۔ جب کسی باعث ماں کو اس کے پاس سے اٹھنا پڑتا تو وہ دونوں ٹانگیں سمیٹ کر پیٹ سے لگا لیتی اور اپنے بازوؤں کو ٹانگوں کے گرد کس کر باندھ لیتی۔ نیند میں بار، بار ڈرتی رہتی۔ تاریکی سے خوف زدہ ہوجاتی گھر سے باہر نکلتے ہوئے ڈرتی..... گھر ٹوٹنے کے اس پر نہایت منفی اثرات مرتب ہوئے تھے۔ اس نے کتابوں سے یکسر منہ موڑ لیا تھا۔ پڑھنے کو کہا جاتا تو رونے بیٹھ جاتی..... یہ وہ لڑکی تھی جو اپنے اسکول میں ہمیشہ ''ٹاپر'' رہی تھی۔

عفت نے اسکول جانا چھوڑا تو ندرت نے اریب کو بھی گھر کے نزدیک ہی ایک ایسے اسکول میں داخل کرادیا۔ جہاں کے مصارف بھی پچھلے اسکول کی طرح زیادہ نہ تھے۔ سچی بات تو یہ تھی کہ عفت اور اریب کی سابقہ اسکول میں تعلیم ندرت نے اپنے بہن بھائیوں کے مالی تعاون پر جاری رکھنے کا ارادہ کیا تھا ورنہ وہ اتنا خرچ کہاں سے اٹھا سکتی تھی۔ اور پھر اسے یہ امید بھی تھی کہ مدحت کو سمجھا بجھا کر وہ خود کسی اسپتال میں ملازمت کرلے گی۔ آخر ایک سند یافتہ نرس تو تھی ناں وہ.....

لیکن عفت کی نفسیاتی کیفیت کے پیشِ نظر اسے اب اپنا ملازمت کرنا بھی دشوار لگتا تھا۔ وہ تو روز بروز گم صم ہوتی چلی جارہی تھی۔ کبھی، کبھی تو ندرت کو ڈر سا لگنے لگتا کہ کہیں وہ چپ رہ، رہ کر بالکل ہی گم نہ ہو جائے اکثر نفسیاتی امراض کی ابتدا یونہی تو ہوا کرتی ہے..... کوئی سانحہ..... کوئی حادثہ، کوئی ناپسندیدہ اور ناگہانی صورتِ حال..... عفت کو اس وقت اس کی ہمہ وقت موجودگی کی اشد ضرورت تھی۔ تنگدستی سہی جاسکتی تھی مگر عفت کو نفسیاتی خلجان میں نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ اسے اس وقت مضبوط جذباتی سہارے کی ضرورت تھی اور یہ سہارا اسے اس کی ماں کے مہربان ہاتھ ہی فراہم کرسکتے تھے۔

☆☆☆

مدحت نے ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں ریسپشنسٹ کی جاب کرلی تھی اب وہ پہلے کی طرح لاابالی اور آرام پسند نہیں رہی تھی۔ ٹاپ اور ٹائٹس پہننے اور دوپٹے سے، بے نیاز رہنے والی مدحت اب شلوار قمیص اور کُرتا، پاجامہ پہننے لگی تھی گھر سے باہر نکلتے وقت اس کے سر پر اسکارف اور شانوں پر دوپٹا ہوتا، اس نے جان لیا تھا، زندگی سدا سکھ ہی نہیں دیتی، دکھ بھی دیتی ہے۔ ماں، باپ کی علیحدگی اور ایک ہنستے بستے گھر کا اجڑنا اس کی زندگی کا ایسا حادثہ تھا جس نے اسے برسوں آگے لے جا کھڑا کیا تھا۔ اب وہ بڑوں کی طرح سوچتی تھی، انہی کی طرح رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس کی بات بے بات ہنسنے کی عادت داستانِ پارینہ بن گئی تھی۔ اب تو اس کے چہرے پر ہمہ وقت گمبھیر سی سنجیدگی دکھائی دیتی۔ البتہ بہن کو مورل سپورٹ دینے کی خاطر وہ اس سے ضرور ہنسی مذاق کرنے کی کوشش کرتی۔ بھائی کا مورال ہائی رکھنے کو وہ ہر جتن کرتی..... ندرت کے لیے اس کڑے وقت میں یہ بڑی بیٹی بہت بڑا جذباتی سہارا بن گئی تھی۔ اپنی پہلی تنخواہ جب اس نے ماں کے ہاتھ میں دی تو ندرت کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

''اوہ ماما.....'' مدحت نے ماں کا سر اپنے سینے سے یوں لگالیا جیسے وہ ماں تھی اور ندرت بیٹی۔

''کبھی سوچا بھی نہیں تھا... میں نے کہ یوں ہو گا۔'' ندرت کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

www.UrduPalace.com